R. No. 2193/57 — Regd. No. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 26

Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۱ - شمارہ ۴۸	ایڈیٹر - آل احمد سرور	علی گڑھ - ۲۲ دسمبر ۱۹۶۲ء

اقبال کرشن

پیامِ یار

پیامِ یار انیسویں صدی کے اواخر میں لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ میرے پاس ۲۲ ویں جلد کے دو شمارے ہیں: نمبر ۲ اور نمبر ۱۰ - نمبر ۲ فروری سنہ ۱۹۰۲ء کا شمارہ ہے اور نمبر ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کا۔

مرتب: "خاکسار محمد نثار حسین نثار مالک کارخانۂ عطر و مہتمم قومی پریس و پیامِ یار"؛ مطبع: "قومی پریس لکھنؤ"؛ کاتب: "الطاف حسن لکھنوی"؛ صفحات: اوسطاً ۳۲؛ رجسٹریشن نمبر: اے - ۲۷۳ - سرورق کے پہلے صفحہ پر "ضروری باتیں" درج ہیں :-

"(۱) پیامِ یار ماہوار شایع ہوتا ہے۔ اس میں دو حصے ہیں نظم اور نثر۔ نظم میں لائق شعراء کا منتخب ہم طرح کلام۔ نثر میں اعلیٰ درجے کا ناول۔ قیمت دونوں حصوں کی عام سے دو روپے عہ سالانہ مع محصول۔ رؤساء و والیانِ ملک سے چھ روپے سے سالانہ۔ علیحدہ علیحدہ صرف ناول یا حصۂ نظم کی قیمت ایک روپیہ چار آنے عہ سالانہ مع محصول۔

"(۲) بلا وصول قیمت پیشگی کسی صاحب کو پرچہ نہیں روانہ ہوتا۔ ایک نمبر بطور نمونہ دونوں حصوں کا چار آنے اور ایک حصے کا دو آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے۔

"(۳) خریدار اور غیر خریدار سب کا کلام منتخب شایع ہوتا ہے۔ انتخاب کمیٹی کرتی ہے۔ پوری غزل یا غیر طرح کلام دو آنے فی شعر اُجرت دینے پر درج ہو سکتا ہے۔

"(۴) جن صاحب کے پاس کوئی نمبر ڈاک کی بدعنوانی سے نہ پہنچے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع پانے سے ہر رنگ بلا قیمت ارسال ہوگا۔

"(۵) اُجرت اشتہار دو ایک مرتبہ کے لئے فی سطر ۴؍ زیادہ کے لئے خط و کتابت سے تصفیہ ہوگا۔

"(۶) جن صاحب کو پرچہ بند کرانا ہو تو دفتر میں باضابطہ اطلاع دیں۔ قیمت کا ختم ہو جانا یا پرچے کا واپس کر دینا بند کرانے کے لئے کافی نہ ہوگا۔

"(۷) جواب طلب تحریر کے لئے دو پیسے کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیے۔

"(۸) کُل خط و کتابت بنام محمد نثار حسین نثار مالک کارخانۂ عطر و مہتمم پیامِ یار ہونی چاہیے۔"

نمبر ۲ - سرورق کے پچھلے صفحے پر "ہندوستان کے سحر نگار مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی کی تازہ تصانیف" کے عنوان سے فتح اندلس، مقدس نازنین، فردوس بریں اور حسن بن صباح کا اشتہار۔ اس کے ساتھ ایک اشتہار اور بھی ہے :-

"پیامِ یار کے گزشتہ نمبر

"شروع سے اس وقت تک کے گذشتہ نمبر متفرق موجود ہیں۔ قیمت فی نمبر ایک آنہ علاوہ محصول۔

"بعض سنین کی کامل جلدیں بھی ہیں۔ قیمت وہی ۱۲؍ فی جلد علاوہ محصول۔"

صفحہ ایک سے صفحہ ۱۶ تک مندرجہ ذیل شعراء کی طرحی غزلیں ہیں :-

محمد احسن، شاہ احسن، ارادت حسین ظہیر، سید نور علی انور، تفضل حسین بیخود، حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی (باقی ص ۱۲ پر)

محمد اکبر الدین صدیقی

رسالہ افسر

(سلسلے کے لئے ہماری زبان مورخہ ۱۵ اگست ۹۲ء ملاحظہ ہو)

رسالہ افسر کی دوسری اور تیسری جلد کا کوئی شمارہ دستیاب نہ ہوسکا۔ البتہ اس کے متعلق مانک راؤ وٹھل راؤ نے اپنی تاریخ "بستان آصفیہ" میں ذیل کی عبارت تحریر کی ہے۔

"ابتدا میں مولوی محب حسین صاحب ایڈیٹر معلم نسواں دو سال تک ایڈیٹر رہے۔ چند روز کے لئے رسالہ بند ہوگیا بعد ازاں مولوی عبدالحق بی اے کے زیر ایڈیٹری شائع ہونا شروع ہوا تقریباً دو سال تک جاری رہ کر دوسرے بار بند ہوگیا عام خریداروں سے سالانہ (للعہ) روپے قیمت مقرر تھی۔"

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۵ء میں یہیں یہ نکلتا رہا اور ۱۸۹۶ء میں کچھ دنوں کے لئے بند ہوا ممکن ہے ایک دو شمارے نہ نکلے ہوں پھر بابائے اردو کی ادارت میں نکلنے لگا سنہ ۱۹۰۰ء کا مکمل فائل جیسا کہ میں پہلے ذکر کرچکا ہوں ادارے کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ چوتھی جلد ہے اس کے سرنامہ پر لکھا ہے "اینچہ دانی بشمار اینچہ ندانی بشنو" اس کے بعد جلی قلم سے رسالہ کا نام اور قدرے خفی قلم سے جلد ۴ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۰ء ایک سطر میں پھر دوسری سطر میں ایڈیٹر عبدالحق بی اے تحریر ہے۔ ساتھ ہی مضامین کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ جس میں ۱ سید بے نظیر شاہ وارثی کی نظم حکمت ظاہری و باطنی ہے۔ سب سے اچھی نظم ہونے کی وجہ سے اس پر ایک اشرفی نذر کی گئی ہے۔ یہ پہلی نذر ہے جو افسر کی جانب سے دی گئی ہے۔ دوسرا مضمون دارالعلوم اسلامی نواب عماد الملک کا ہے اور تیسرا فوجی مضمون سگنلنگ کا استعمال محب حسین صاحب ایڈیٹر معلم نسواں کا ترجمہ ہے۔ آخری سطر نہایت جلی قلم میں مطبوعہ حیدرآباد پریس متصل پل چادر گھاٹ بازار عیسے میاں حیدرآباد دکن تحریر ہے۔

حکمت ظاہری و باطنی کی ابتدا میں حضرت بے نظیر شاہ وارثی پر ایک تعارفی نوٹ لکھا ہے۔ دوسرے مضمون دارالعلوم اسلامی یعنی محمڈن یونیورسٹی کے ساتھ بھی تعارفی نوٹ موجود ہے۔ یہ مضمون کافی طویل ہے سگنلنگ کا استعمال دوسری قسط ہے۔ یونیورسٹی والا مضمون ۲۷ صفحات کا ہے اور سگنلنگ کا دس صفحات یعنی ۳۹ تا ۴۸ صفحات پر ہے۔ گویا اب افسر ۳۲ صفحات کی بجائے ۴۸ کا شائع ہونے لگا۔

دوسرے شمارے میں پہلا مضمون مولانا ظفر علی خاں کا اشرف المخلوقات ہے۔ یہ مضمون حیاتیات پر ہے اور بیس صفحے کا ہے آخر میں باقی آئندہ تحریر ہے۔ دوسرا مضمون "عالم بالا" مولوی عبدالحق صاحب کا تحریر کردہ ہے جس کے پندرہ صفحے ہیں۔ تیسرا ایک ایڈریس ہے جو افسران فوج کی جانب سے مرحوم اعلیٰ حضرت نظام دکن کی خدمت میں پیش ہوا۔ اس کا جواب بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔

اس شمارے کے تین جز اس طرح مکمل ہوتے ہیں۔ صفحوں کے نشانات میں تسلسل قائم رکھا گیا ہے یعنی ۴۸ کے بعد دوسرے شمارے کے آغاز پر ۴۹ تحریر ہے اور مارچ سنہ ۱۹۰۰ء کا تیسرا شمارہ ۹۷ سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں پہلا مضمون سگنلنگ کا اور دوسرا اشرف المخلوقات کا حصہ ہے۔ "چلتے ہوئے پتے" کے عنوان سے مولوی عبدالحق صاحب کا ڈیڑھ صفحے کا مضمون ہے اور اس کے ساتھ ہی صفحہ ۱۲۹ سے "ہلال اور تارا" کے عنوان پر مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ یہ مضمون حاجی محمد اسمٰعیل خاں ایڈیٹر معارف کے جواب میں ہے۔ اس مضمون کے بعد ایک کتاب اخوان الشیاطین پر تبصرہ اور پھر انجمن علمائے علوم شرقی بمقام روما کے متعلق مولوی صاحب ہی کی تحریر کردہ رپورٹ ہے۔ صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۴ احسن نظر کے عنوان سے عبدالجلیل نعمانی کی پہلی قسط ہے اور تیسرا شمارہ ختم ہوتا ہے۔

چوتھا شمارہ "سگنلنگ کا استعمال" سے شروع ہوا ہے دوسرا مضمون نظیر حسین فاروقی کا "فلسفہ قیافہ" ہے اور تیسرا محب حسین صاحب کا ترجمہ کردہ "سوسائٹی اور گورنمنٹ" کے عنوان سے ہے۔ چوتھا پروفیسر محمد عبدالغفور شہباز کا قصیدہ ہے۔ (۱) مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور جدید انتظام۔ (۲) ادھر کی آمدنی۔ (۳) نواب عماد الملک کی فیاضی اور حاجی ریاض الدین صاحب کے اخبار الریاض پر تبصرہ مولوی عبدالحق صاحب کے قلم سے ہیں۔ حسن نظر کا تکملہ اس شمارے کی آخری نظم ہے۔

مئی سنہ ۱۹۰۰ء یعنی پانچویں شمارے میں پہلا مضمون "انگریزوں کا پہلی دفعہ دہلی پر قبضہ کرنا" ہے۔ یہ ایک انگریزی لکچر کا ترجمہ ہے جو میجر جنرل ہیرسفورڈ لیوٹ نے ۷ ستمبر ۱۸۹۹ء کو یونائٹڈ سروس انسٹی ٹیوشن کلب شملہ میں دیا تھا۔ یہ ترجمہ محب حسین صاحب نے کیا ہے۔ دوسرا مضمون مولوی چراغ علی مرحوم کا ہے جس کے آخر میں مولوی عبدالحق صاحب کا نوٹ بھی ہے۔ "گورنمنٹ اور سوسائٹی" پچھلے سلسلے کی کڑی ہے۔ آخر میں مولوی صاحب نے سفرنامہ بغداد مصنفہ حسام الدین صاحب ایڈیٹر کشف الحقائق پر تبصرہ کیا ہے۔

چھٹے شمارے میں محب حسین صاحب کے دو مضمون جنگی تاریخ اور گورنمنٹ اور سوسائٹی شامل ہیں۔ ایک مضمون حروف مقطعات و علامات معدنی آلات تحریر و طبع نظام الدین حسن صاحب کا تحریر کردہ ہے۔ ٹائپ کے سلسلے میں یہ ابتدائی تجربہ ہے۔ عبدالغنی خاں صاحب نے "مبارک لڑکیاں" کے زیر عنوان ایک مضمون لکھا ہے "سنہ ہجری کی تحقیق" اور "اب پردوں کی ضرورت نہیں رہی" مولوی صاحب کے تحریر کردہ ہیں اور سرشیخ عبدالقادر کی انگریزی تصنیف (باقی صفحہ ۸ پر)

ہم نے شمشیر اٹھائی ہے صداقت کے لئے
امن و تہذیب و شرافت کی حفاظت کے لئے
سر بکف آج ہیں ہم ہند کی عزت کے لئے

ہماری زبان

۲۲ر دسمبر ۱۹۶۲ء

موجودہ ہنگامی حالات اور ادب

موجودہ ہنگامی حالات نے ہندوستان کے ہر ادیب کو متاثر کیا ہے، اُردو کے ادیب بھی متاثر ہیں اور صاف اور واضح الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کر رہے ہیں، اخباروں اور رسالوں میں چین کے خلاف نفرت کا اظہار ہو رہا ہے اور دُنیا کو بتایا جا رہا ہے کہ چین نے ہندوستان کی دوستی کو ٹھکرا کر اور اُس کی سرحدوں پر حملہ کر کے نہ صرف اس کی سالمیت کو مجروح کیا ہے بلکہ اس کی عزت اور وقار کو بھی صدمہ پہنچایا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہوتی جا رہی ہے کہ ملک کا بچہ بچہ اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے اپنے جان و مال کی بازی لگانے کو تیار ہے۔ پورے ملک میں اس وقت ایک ایسی وحدت، ایک ایسا عزم، ایک ایسا استقلال اور ایک ایسا جوش و خروش نظر آ رہا ہے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہمیں یقین ہے کہ چین کو اُس کی بدتمیزی کی قرار واقعی سزا ملے گی، وہ ہمارے خلاف اپنے ناپاک ارادوں میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا اور دُنیا کی نظروں میں بھی ذلیل ہو جائے گا۔

ہماری مختلف زبانوں کے ادیبوں میں چین کے خلاف تو مکمل اتفاق و اتحاد نظر آتا ہے مگر کبھی کبھار انگریزی کے ادبی اخباروں اور رسالوں میں ایسی بحثیں اور تقریریں نظر آتی ہیں، جن سے مترشح ہوتا ہے کہ موجودہ واقعات پر نظمیں لکھنا اور عوام کو جنگ کے لئے اُبھارنا ادب نہیں کچھ اور ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کچھ لوگ یہ بات اس لئے کہتے ہیں کہ اُن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے تاثرات نظموں یا مضامین کی شکل میں ضرور ہی ظاہر کر دیں۔ دراصل یہ توقع صحیح نہیں۔ ادیب متاثر تو ہوتا ہے مگر تاثر کا اظہار اپنے طور پر کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس تاثر کو اپنے طور پر ظاہر کرے۔ کسی ادیب کے یہاں یہ تاثر صرف وطن کی عظمت کے ایک راگ کی شکل میں نظر آئے، کسی میں ہمالہ کی بلندی کے سمبل کی پرستش کی شکل میں، کسی میں سادہ لوحی اور دوسروں کے وعدوں پر جلد اعتبار کرنے پر طنز کی شکل میں، کسی کے یہاں تاریخ ہند کے ایسے مقامات، مراحل اور مشاہیر کو خراجِ عقیدت میں جو ہندوستان کی آزادی اور اُس کی عزت کے لئے عمر بھر لڑتے رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ادیب اور شاعر اپنے طور پر اپنی بات کہتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ قومی بچاؤ کے کاموں میں عملی حصہ لینے کے لئے بھی وقت نکالے، چندہ جمع کرے۔ تہذیبی پروگراموں میں مدد دے، اپنی کتابیں جوانوں کے پڑھنے کے لئے بھیجے۔ ملک کے ضبط و نظم میں مدد دینے کے لئے خود اپنے مطالبات کم کرے اور کام زیادہ۔ وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ سرحد کی حد بندی، میک ماہن لائن، لداخ اور نیفا کی تاریخ، چینی تاریخ، چینیوں کے مزاج پر ایسے مضامین لکھے جن سے لوگ نہ صرف دشمن کو اچھی طرح پہچان جائیں بلکہ اپنے قومی موقف سے اور زیادہ باخبر ہو جائیں۔ اس کا یہ بھی کام ہو سکتا ہے کہ وہ آزادی کی محبت کو اور جاگزیں کرنے کے لئے آزاد قوموں کی مثالیں سامنے لائے، دوسری قوموں نے مشکلات کا جس طرح مقابلہ کیا ہے اور جس جدوجہد کے بعد منزلِ مقصود تک پہنچی ہیں، اُس کی مصوری کرے۔ غرض کرنے کے بہت سے کام ہیں۔ ادیب آخر شہری بھی تو ہے اور شہری کی حیثیت سے اُس کے جو فرائض ہیں وہ اسے ہر طرح بجا لانے ہیں مگر اس میں اور عام شہری میں فرق یہ ہے کہ وہ زیادہ باشعور شہری ہے، اس کا ذہن زیادہ بیدار اور مرتب ہے۔ وہ چونکہ خود بھی عام لوگوں سے زیادہ بصیرت رکھتا ہے اس لئے انھیں بھی دوسروں سے زیادہ بصیرت دے سکتا ہے۔ پھر چونکہ وہ ممتاز شہری ہے، اس کی عزت اور قدر ہوتی ہے، اس کے پڑھنے والے اُس کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں، اس لئے اس کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اس گہری اور مخصوص بصیرت کو بھی عام کرے اور عام لوگوں کی ہر منزل پر قیادت بھی کرے۔ برنارڈ شا ہر واقعے پر ایک ڈراما نہیں لکھتا تھا۔ اکثر کسی خاص واقعے پر اس کے تاثرات ایک بیان کی شکل میں شائع ہوتے تھے، یا ٹائمس کو خط کی شکل میں، پھر عام رائے کو بنانے میں یہ خط اور بیان بھی ایک اہم آلہ ہوتا تھا۔ اسی طرح کوئی مشہور شاعر، ناولسٹ، افسانہ نگار، نقاد، مورخ، فن کار، دانش ور، سائنس داں جب کسی مسئلے پر رائے دیتا ہے تو وہ رائے بھی رائے عامہ کے بنانے میں معاون ہوتی ہے۔ اس لئے ادیبوں سے یہ مطالبہ صحیح ہے کہ اس قومی ہنگامی حالت میں عوام کی رہبری کریں اور اُن کے عزم و ارادے کو ایک آہنی دیوار بنا دیں، مگر یہ مطالبہ صحیح نہیں ہے کہ نظم یا مضمون یا کہانی کی شکل میں اپنے تاثر کا اظہار ضرور کریں، بلکہ اُسے اپنے طور پر اپنی بات کہنے دیں اور اُسے اپنے کرنے کا کام خود ڈھونڈھنے دیں۔ ایک کام سے دوسرے کام تک وہ خود پہنچے گا۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ خود جلے گا۔ سماج کو جب بھی کسی طرف سے خطرہ لاحق ہوتا ہے تو سب سے پہلے

ادیب ہی اُسے محسوس کرتا ہے اور اس کے مقابلے کے لئے بھی اپنا نسخہ تیار کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مومن کا ہر کام عبادت ہے۔ ادیب بھی چاہے وہ زندگی کے کسی بھی تقاضے کو پورا کرے، ہر طرح ادب کی ہی خدمت کرتا ہے۔

اطلاع

اُردو ادب کے سنہ ۱۹۶۱ء کے دو شمارے اور سنہ ۱۹۶۲ء کا ایک شمارہ۔ خریداروں اور ادبی حلقے کے ممبروں کی خدمت میں بھیجے جا چکے ہیں۔ سنہ ۱۹۶۲ء کا دوسرا اور تیسرا شمارہ جو مشترک ہے اس مہینے کے آخر تک شائع ہو جائیگا اور سنہ ۱۹۶۲ء کا چوتھا شمارہ فروری سنہ ۱۹۶۳ء میں خریداروں کو مل جائے گا۔ اُردو ادب کی بے قاعدگی جو عرصے سے چلی جا رہی تھی، اس طرح دور ہو جائے گی۔ سنہ ۱۹۶۳ء کا پہلا شمارہ اپریل سنہ ۶۳ء تک منظر عام پر آ سکے گا۔ حال میں طباعت کے جدید انتظامات دہلی میں کئے گئے تھے، اُن کے نتائج اب سامنے آ رہے ہیں۔ کتابوں کی طباعت بھی ادھر تیزی سے بڑھی ہے اور امید ہے کہ ۱۹۶۲-۶۳ کا بیشتر پروگرام مارچ سنہ ۱۹۶۳ء تک پورا ہو جائے گا۔

ایک ضروری تصحیح

"اردو، ادیب و شاعر"

۱۵ر دسمبر کے ہماری زبان میں "اردو ادیب و شاعر" کے زیر عنوان ایک مراسلہ شائع ہوا ہے، جس میں مراسلہ نگار کا نام چھپنے سے رہ گیا ہے۔ وہ مراسلہ حمیدہ سلطان صاحبہ کا ہے۔

(ادارہ)

ادبی مجلس، نئی دہلی

۱۰ر ستمبر کو علی جواد زیدی کے زیر صدارت ادبی مجلس کی ایک مخصوص نشست ہندوستان پر چین کے بے سبب حملے سے پیدا شدہ حالات کی روشنی میں ادیبوں اور شاعروں کے فرائض پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوئی۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "ادب زندگی کی تخئیلی ترجمانی ہے۔ اس کی اپیل ذہن اور جذبے سے ہے لیکن ادب کی واحد کسوٹی صداقت ہے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد حسن و مسرت ہی سہی لیکن حق، خیر اور صداقت کے بغیر حسن و مسرت کا تصور سطحی اور بے تہ ہے۔ اسی اصول کے تحت آج ہندوستان کا ادیب چین کی جارحیت اور جنگ پسندی کے خلاف خود کو سینہ سپر پاتا ہے۔"

ڈاکٹر نارنگ نے "موجودہ حالات اور ادیب" کے عنوان کے تحت اپنے مقالے میں کہا "چین کے حملے کی بنا سرحدی تنازعہ ہی نہیں بلکہ ہمارے جمہوری نظام، فرد کی عظمت اور آزادیٔ فکر و نظر کی قدروں سے دشمنی بھی ہے۔ یہاں پر آج ملک کے ادیب و شاعر خاموش نہیں رہ سکتے۔ وہ شریفانہ اقدار کی پامالی پر رنجیدہ ہیں۔ فنی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھیں چین کے حملے سے پیدا شدہ حالات پر اظہار خیال کا پورا حق حاصل ہے۔ انھوں نے اگر ضمیر کی آواز کو دبایا، یا کسی مصلحت کی بناء پر ظلم و تشدد، مکاری اور فریب دہی کا پردہ چاک نہ کیا تو سمجھئے کہ انھوں نے اپنے فرض سے روگردانی کی اور ادب کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔"

بحث میں جگن ناتھ آزاد، صابر ابوہری، مصباح الدین شکیل، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، نثار احمد فاروقی، اگرکن چندن اور علی جواد زیدی نے حصہ لیا۔ اتفاق رائے سے یہ محسوس کیا گیا کہ ادیب کی سب سے بڑی دولت اس کی آزادیٔ اظہار ہے۔ اس آزادی کے تحفظ کے لئے اس کی حدیں بھی ہیں جن کی آج کے غیر معمولی حالات میں غیر معمولی اہمیت ہے۔

دہلی رائیٹرز ایسوسی ایشن

۱۷ر دسمبر کو دہلی رائٹرز ایسوسی ایشن کا ایک مخصوص جلسہ کرشن موہن کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں اُردو، ہندی اور پنجابی کے شاعروں اور ادیبوں نے شرکت کی۔ جلسے نے باتفاق رائے مندرجہ ذیل تجویز منظور کی:-

"ہمیں یقین ہے کہ چین نے ہماری سرحدوں پر جو جارحانہ حملہ کیا ہے وہ ملک گیری اور سرحدوں کو بڑھانے کی ہوس کا نتیجہ ہے۔ اس حملے سے نہ صرف ہندوستان کی آزادی کو بلکہ قرب و جوار کے تمام ممالک کو شدید خطرہ ہے۔ چین کی اس جارحانہ پالیسی سے جو خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس سے تمام ایشیا کی سلامتی خطرے میں ہے۔ چین نے جو یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کیا ہے" ہندوستان کے لئے ایک چیلنج ہے جس کے مقابلے کے لئے ہمیں یکجا طور پر کمربستہ رہنا چاہیے۔

ہم ملک کے تمام ادیبوں اور فنکاروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ زبان، نقطۂ نظر، جغرافی اختلافات کو نظر انداز کر کے حکومت ہند کا مجموعی طور پر ساتھ دیں تاکہ ہماری سرکار چین سے اپنے علاقوں کو واپس لینے میں کامیاب ہو سکے۔

شعیب راہی

اہلِ ہوس چینیوں کے نام

تیغ کی چوٹ تو آسان ہے سہہ لیتے ہیں
بات کی چوٹ تو مشکل سے سہی جاتی ہے
چوکیاں چھیننے والوں کو سنا دو جا کر
جو ہو آخر میں وہی جیت کہی جاتی ہے

زندگی توپ کے گولوں سے کہیں مرتی ہے
روح مرتی ہے تو انسان بھی مر جاتے ہیں
تم نے بارود کی دیوار کھڑی کی ہے مگر
حوصلے ایسی حدوں سے بھی گزر جاتے ہیں

اپنے کردار میں ہے فقر بھی، درویشی بھی
ہم نے ہر دور کے خسرو کو شکستیں دی ہیں
ہم نے ہر دور کی بوجہلی و بولہبی کو
حق پرستی کے بھروسے ہی پہ ماتیں دی ہیں

ہم نے گوتم سے اہنسا کا سبق سیکھا ہے
ہم کو نانک سے ملی اپنے وطن کی الفت
ہم کو عیسیٰ سے مروت کا ملا ہے پیغام
ہر چمن والے کے دل میں ہے چمن کی الفت

ہم نے فاراں کی پہاڑی سے ابھارا سورج
ہم نے تلوار کو بجلی کی چمک بخشی ہے
ہم نے شاہین کو بخشا ہے مذاقِ پرواز
ہم نے کشتی کو بھی طوفاں کی لپک بخشی ہے

جوشِ کنور کی قسم، بازوئے ٹیپو کی قسم
ہم نے دشمن کو تہِ تیغ کیا ہے کہ نہیں
یاد ہے، قیدی رنگوں کے فرزندوں نے
دیش کے واسطے سر اپنا دیا ہے کہ نہیں

آج اسی دیش پہ نرغہ ہے ستم گاروں کا
در و دیوار سے بارود کی بو آتی ہے
چاندنی میں بھی ہمالہ پہ چمکتی ہوئی برف
اک دھندلکے میں لیے چاند کو کھو جاتی ہے

اور ہمالہ کے افق پر کہیں توپیں چھوٹیں
جنگ نے امن کے دروازوں پہ دستک دی ہے
سرفروشی کی تمنا کو جگا دو دل میں!!
جسم سے بڑھ کے کہیں روح کی آزادی ہے

ہاں! اہنسا کے پجاری ہیں مگر وقت پڑے
سر سے ہم توپ کی دیوار بھی ڈھا سکتے ہیں
ہم کہ شاعر بھی، مصور بھی، قلم کار بھی ہیں
"ہم قلم چھوڑ کے تلوار اٹھا سکتے ہیں"

جگن ناتھ آزاد

لندن

(نورِ نظر پرمیلا کی لندن میں شادی کے موقع پر)

شہرِ لندن اے دیارِ دلنشین و دلنواز — اے کہ صورت پھول ہے تیری نظر خار آگداز
جو چلے والوں کی ہے دنیا جگہ اردو کی ہیں — اہلِ دل کی سرزمیں ممتاز فنکاروں کی ہیں
جانِ من کے گھر اگرچہ ہے شہرِ عشق کے دلہن — کیٹس اور شیلے جو ہیں پھول ایسے ان کے چمن
تجھ میں اک ہمارا گوہر کی جو خواہاں ہوں میں — حاصلِ عمرِ رواں تجھ کو دیے جاتا ہوں میں

جانِ کرشتی کے مستقبل کا گہوارہ تجھے
میں دیے جاتا ہوں آج اپنا جگر پارہ تجھے

وہ مرے سینے کی ٹھنڈک وہ مرے دل کا سرور — وہ مری بیٹی مرا سب کچھ مری آنکھوں کا نور
آج اس بچی کا دلی کے عوض تو ہے وطن — اب ہے تو ہی گلِ شگفتہ جاں کا چمن
اپنی پلکوں پر اٹھا کر میں نے پالا ہے اسے — اپنے سینے میں بسا کر میں نے پالا ہے اسے
اس جبیں میں اے فلک میری دعا ہے اس کے ساتھ — تجھ کو رکھنا ہے اس نازوں پلی کے سر پہ ہاتھ

یہ ستارہ تیرے گردوں پر چمکتا ہی رہے
پھول میرا تیرے گلشن میں مہکتا ہی رہے

وقت سر پر ہے اسی کے از دستِ شفیق — کامرانی کی ہمدم ہو مسرت ہو رفیق
نیر والشہ بھے یوں اس کے ہر اک کام سے — اور بھی روشن ہو میرا نام اس کے نام سے
کالجوں میں رہتی ہے خوشبو جس طرح سوتی میں آب — جس طرح پانی لئے رہتا ہے دامانِ سحاب
تیرے عالم میں اسی صورت ہو اس کی زندگی — اے دیارِ دلنشیں اے مرکزِ تابندگی

میری بچی تیری دنیا میں خوشی پاتی رہے
تیری جانب سے اسے ٹھنڈی ہوا آتی رہے

غزلیں

اسرار احسن جعفری

قلبِ عاشق بھی نہیں محبت کی بھی خوشبو نہیں — موجِ انفاس میں شامل کوئی خوشبو بھی نہیں
کوئی چہرہ نہ کوئی رنگ نہ خوشبو نہ بدن — دل کی تسکین کی صورت کوئی پہلو بھی نہیں
اب یہ عالم ہے کہ اے دوست کوئی بھٹکا ہوا — دل کے صحرا میں تری یاد کا آہو بھی نہیں
تیری کچھ بات نہ کی مرے دل کی احسن — کوئی ذرہ، کوئی تارہ، کوئی جگنو بھی نہیں

شو ... کاشمیری

رات ہے تارے جھلملاتے ہیں — داغ بھی دل کے جگمگاتے ہیں
چاپ سنتے ہیں چاند کی شاید — جانے کیوں تارے تھرتھراتے ہیں
دل کے زخموں پہ رکھتے ہیں پھاہا — نرم جھونکے ہوا کے آتے ہیں
شب کو آتے ہیں ہاتھ جو موتی — صبح کا غنچہ وہ بچھاتے ہیں

عرشی دانشی

حسنِ جذبات بپا ہو تو غزل ہوتی ہے — ہر نفس آہِ رسا ہو تو غزل ہوتی ہے
وہ کوئی حسن ہو کوئی لے ہو کوئی نغمہ ہو — نالۂ دل کی صدا ہو تو غزل ہوتی ہے

خوبیِ فن و ترنم ہی نہیں ہے کافی
فکرِ شاعر بھی رسا ہو تو غزل ہوتی ہے

دیویندر پرشاد سکسینہ بدایونی

منشی ماتاپرشاد نیساں لکھنوی

منشی ماتا پرشاد نیساں لکھنوی دور حاضر کے مشہور شاعر مترجم اور ادیب بشیشور پرشاد منور لکھنوی کے منجھلے چچا تھے اور منشی پورن چند ذرہ کے منجھلے فرزند تھے جن کا تذکرہ منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی کے حالات میں، جو ۸ر اگست ۱۹۶۰ کے ہماری زبان میں شائع ہوئے ہیں کیا گیا تھا۔ منشی رام سہائے تمنا نیساں کے بڑے بھائی تھے اور منشی دوارکا پرشاد افق چھوٹے۔ نیساں لکھنؤ میں غالباً ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ تینوں بھائیوں میں عمر کے لحاظ سے تقریباً تین تین سال کا فرق تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ منشی رام سہائے تمنا سے پہلے منشی پورن چند کے ایک اور بھی بیٹا پیدا ہوا تھا جس کا نام گیا پرشاد تھا وہ کم سنی ہی میں وفات پا گیا۔ سکسینہ کایستھوں کا یہ ذی علم خاندان نادرشاہ کے حملے سے پریشان ہو کر دہلی سے لکھنؤ چلا آیا تھا۔ حضرت تمنا اور افق کی طرح نیساں بھی اپنے ماموں منشی شنکر دیال فرحت کے شاگرد تھے۔ شاعری کی طرف تینوں بزرگوں کا رجحان بچپن ہی سے تھا۔ نیساں اردو، فارسی اور ہندی سے بہت اچھی طرح واقف تھے انگریزی تعلیم بھی پائی تھی۔ نیساں کا تخلص پہلے نکہت تھا چنانچہ "تذکرہ شعرائے ہنود" میں منشی دیبی پرشاد بشاش نے لکھا ہے:۔

"نکہت تخلص منشی ماتا پرشاد لکھنوی برادر منشی رام سہائے تمنا، ایک اچھے شاعر ہیں مگر ان کا کلام سوا ایک قطعہ تاریخ کے جو "گلزار ارتنگ" مصنفہ حضرت تمنا میں مندرج ہے ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا۔"

(تذکرہ شعرائے ہنود صفحہ ۴۱۳)

اسی تذکرہ کے صفحہ ۱۲۵ پر بشاش نے لکھا ہے:۔

"نیساں تخلص منشی ماتا پرشاد خلف منشی پورن چند شاگرد منشی شنکر دیال فرحت رنگین ادا اور رنگین طبیعت ہیں ٹھمری اور پد بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے فسانۂ عجائب کو بول چال میں نظم فرمایا ہے۔"

نیساں کا یہ فسانۂ عجائب کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ نیساں فی الواقع آخر عمر تک بہت شوخ طبیعت اور رنگین مزاج رہے۔ صوبہ جات متحدہ اور راجپوتانہ کے اکثر والیان ریاست اور تعلقہ داروں کے خاندانی حالات مسدس کی صنف میں نظم فرمائے ہیں۔ ان کے مسودے ان کے انتقال کے بعد خود انہیں کے صاحبزادے منشی امبکا پرشاد اور پوتے رادھا شیام کی مجرمانہ بے اعتنائی کے باعث ردی میں بک گئے یا کیڑوں کی نذر ہو گئے۔ نیساں کا انتقال بہ عمر ۷۰ سال ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ ان کے صاحبزادے بھی پچھلے سال تقریباً ۸۲ سال کی عمر پا کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کے پوتے کانپور میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دو پرپوتے ہیں اور دو پرپوتیاں، مگر شعر و شاعری سے لگاؤ نہ منشی امبکا پرشاد کو تھا نہ رادھے شیام کو ہے اور نہ پرپوتوں، پرپوتیوں کو۔ امبکا پرشاد کا برائے نام تخلص اعجاز ضرور تھا۔ ان کے نام سے ایک تاریخ حضرت تمنا کے بڑے صاحبزادے مرحوم پروفیسر بیلا سہائے کی تصنیف "سیر ماہتاب" میں ملتی ہے، غالباً وہ کسی بزرگ کا عطیہ ہے۔

حضرت نیساں کی ایک مطبوعہ یادگار لکھنؤ کے باکمال فقیر باوا ہزارا اور ان کے جانشینوں کے منظوم حالات ہیں۔ یہ حالات ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتے تھے۔ دونوں نسخوں کا مواد ایک ہی ہے۔

حضرت نیساں بھی حضرت افق کی طرح کچھ دنوں حضرت تمنا کے ساتھ محکمہ سررشتہ تعلیم اودھ سے وابستہ رہے۔ اس وقت محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر جے سی نفیلڈ تھے، جن کی انگریزی گرامر بہت مشہور ہے۔ حضرت تمنا اخبار سررشتہ تعلیم اودھ کے ایڈیٹر تھے۔ کچھ دنوں نیساں نے حضرت افق کے خسر منشی خطاب رائے سپرنٹنڈنٹ جنگلات کے تحت کوٹہ میں بھی کام کیا لیکن ملازمت سے طبیعت گھبراتی تھی اس لئے باقی تمام عمر رندانہ اور آزادانہ بسر کی۔ تعلقہ داروں اور والیان ریاست ہی کے یہاں اکثر رہا کرتے تھے اور انھیں کی امداد سے زندگی کے اخراجات پورے ہوتے تھے، شراب کے متوالے تھے۔ شروع شروع میں ڈاڑھی نہیں تھی، بعد کو ڈاڑھی رکھ لی تھی جو آخر عمر تک قائم رہی۔ پٹے بھی رکھتے تھے۔

مصاحبت کے فن میں طاق تھے، رؤسا و امراء کو ہاتھ میں لے لینا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ آغا علی شمس لکھنوی اور فرحت لکھنوی کی طرح تینوں بھائی یعنی تمنا، نیساں اور افق ہندی میں ٹھمری، پٹے، ہولی، بارہ ماسے، منڈرے وغیرہ بھی تصنیف کرتے تھے۔ ان کی غزلوں کے ساتھ ان کی یہ ٹھمریاں وغیرہ بھی ارباب نشاط کے ذریعے شادی بیاہ کی اکثر محفلوں میں سامعہ نواز ہوتی تھیں۔ تمنا اور افق کا تو پاکیزہ ہندی میں بھی کلام بہت ہے۔

نیساں جیسے رنگین مزاج اور شوخ طبیعت تھے ویسا ہی ان کے کلام میں چلبلا پن بھی ہے۔ یہی شوخی اور رنگینی ان کی غزلوں کا مابہ الامتیاز ہے۔ تین غزلیں ملاحظہ فرمایئے:۔

ادھر بھی جب کبھی وہ جھومتا آتا ہے مستانہ
صراحی دوڑ کر بھرتی ہے پیمانہ پہ پیمانہ

بہت جانسوز ہے دلسوز ہے دونوں کا افسانہ
ادھر سوزاں ہے شمع اور ادھر جلتا ہے پروانہ

میں دریا نوش ہوں مجھ سے لگا دے خم کے خم ساقی
نہیں ہے میری سیری کافی یہ ظرف تنک پیمانہ
برابر وقت جب آ جائے گا تقدیر سے نیساں
چھلک جائے گا تیری عمر کا دم بھر میں پیمانہ

ساقی جو دور بخشش جام سرور ہو
اور دور میں پہ سب نظر تو ادھر بھی ضرور ہو
خلوت میں ہو نشہ کہ پری ہو کہ حور ہو
بس بس نہیں نہیں کا تکلف ضرور ہو
جلوے سے اس کے آنکھ میں کیا دل میں نور ہو
موسیٰ کو شرم آئے تجلی کو وہ طور ہو
قربت نہیں پسند نہیں کچھ رقیب کی
بیٹھا ہو پاس لاکھ اگر دل سے دور ہو
یارب فراق کی بھی ہے ساعت عجب کٹھن
نیساں کے پاس سے کبھی کوئی نہ دور ہو

بڑھ گئی یا مرے مولا شب فرقت کیسی
پیش آئی ہے مصیبت میں مصیبت کیسی
نیند آنکھیں آئی مزے میں شب وصلت کیسی
بدنصیبی سے مری سو گئی قسمت کیسی
ابھی کم سن ہیں وہ کیا جانیں ہے الفت کیسی
کیا مزا ہجر کا ہے وصل کی لذت کیسی
خط تو آیا مگر الفاظ ہیں سب معنی بند
حال کھلتا نہیں لکھی ہے حقیقت کیسی

نیساں بڑے بذلہ سنج اور ظریف الطبع بھی تھے ان کے بارے میں چند لطیفے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت کسی دوست یا عزیز کے یہاں تشریف لے گئے۔ مہمان کے یہاں چوسر کا کھیل ہو رہا تھا، شراب کا بھی دور جاری تھا یہاں وہ دونوں مشغلوں میں شریک ہوئے۔ گھر پر رات بھر انتظار رہا، دوسرے روز صبح کے وقت جب گھر چلنے لگے تو فرمایا سے

سحر ہوتے ہی نیساں گھر چلے جائے
خدا کے فضل سے پیٹے نہ جائے

منشی رام لال رام گبھرا ایک نہایت شفیق بزرگ تھے۔ شور صاحب لکھنوی کا فرمانا ہے کہ انھوں نے گبھر صاحب کو دیکھا تھا۔ فارسی اور اردو کے عالم تھے اور ایک خوش گو شاعر بھی۔ خوش نویسی ذریعہ معاش تھی محلہ نوبستہ میں رہتے تھے، بعد کو کانپور چلے گئے۔ حضرت گبھر کا گھرانا اب وہیں آباد ہے۔ ایک مرتبہ کسی شاعرانہ نوک جھونک کے سلسلے میں گبھر نے نیساں کی شان میں مذاق میں کچھ فرمایا اس کا جواب نیساں نے چند اشعار میں دیا جس کا ایک مصرعہ بہت مشہور ہوا۔ ع

"نیساں کے ایک قطرے سے پیدا ہو گہر"

اپنے تمام افراد خاندان کی طرح نیساں بھی عقیدے کے لحاظ سے سناتن دھرمی تھے۔ ان کی کئی دھارمک نظمیں تھیں۔ ابتدائی عمر میں کالستھ سبھا کا بھی کچھ کام کیا ہے مگر ہر حال میں رندانہ سرمستی، خوش طبعی اور بذلہ سنجی شامل رہی۔ شعر و شاعری کا سلسلہ آخر دم تک رہا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں نیساں دہلی آکر کچھ دنوں شور صاحب کے ساتھ بھی رہے۔ آخر عمر میں اپنے پوتے رادھے شیام کے پاس ہمیرپور چلے گئے اور وہیں جان جان آفریں کو سپرد کر دی۔

نیساں نے لکھنؤ کے ایک مشہور آفاق بزرگ بابا ہزارے کے ذکر میں ایک مثنوی لکھی تھی اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے :-

الٰہی دے قلم کو وہ روانی	کہ دریا شرم سے ہو پانی پانی
جو مضموں چاہوں وہ بندش میں آ جائے	سمندر میرے کوزے میں سما جائے
قلم سے میرے جو مضموں نکل جائے	سراپا نور کے سانچے میں ڈھل جائے
رسا تیرے کرم سے نارسا ہو	یہ قطرہ وہ ہو جو بحر آشنا ہو
زمین شعر میں ہو وہ بلندی	فلک بھولے خیال خود پسندی
ہوا کو باندھ کر کس کر گرہ دوں	وہی موزوں ہو جو کچھ بات کہہ دوں
گہر ریز ابر نیساں چار سو ہو	ترے فضل و کرم سے آبرو ہو

لکھوں بابا ہزارا کا کچھ احوال
کروں تحریر اس دربار کا حال

بقیہ: رسالہ افسر

جدید اُردو علم ادب کے مشہور مصنفین اور الہارون مترجم مصباح الدنیا صاحب پر تبصرہ بھی لکھا ہے۔ اس شمارے میں آخری نظم مقامات کے عنوان سے حضرت سید بے نظیر شاہ وارثی کی مثنوی ہے جو ان کی طویل مثنوی جواہرِ بے نظیر میں شامل ہے۔

ساتویں شمارے میں پہلا مضمون محب حسین صاحب کا ہے جو "دنیا کی پندرہ مشہور لڑائیوں" سے ترجمہ ہوا ہے۔ دوسرا مضمون "قوموں کی ضعف عقل کی علامتیں اور زوال کی نشانیاں اور اسباب" پر ہے جس کو خواجہ غلام الثقلین نے لکھا ہے اس مضمون کے متعلق مولوی صاحب نے ادارتی نوٹ میں لکھا ہے کہ یہ مضمون ۱۳۰۲ھ میں حیدرآباد سوشل ایسوسی ایشن کے ایک جلسے میں بطور لکچر کے پڑھا گیا تھا اور پھر مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں بھی پڑھا گیا۔ حال میں علی گڑھ میگزین کے کئی نمبروں میں چھاپا گیا ہے۔ مگر اتفاقاً بہت سی غلطیاں چھپنے میں رہ گئی تھیں اس لئے اب ترمیم، اصلاح اور اضافے کے ساتھ اور مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ چھاپا جا رہا ہے۔ اس مضمون کے اختتام پر ۵ محرم ۱۳۱۲ھ تاریخ درج ہے۔ اس شمارے کا آخری مضمون "گورنمنٹ" ہے جس کو شمس العلما ذکاء اللہ دہلوی نے لکھا ہے۔

آٹھویں شمارے میں سید بے نظیر شاہ وارثی کی نظم "چاندنی رات کا سماں" پیش کرنے سے پہلے شاعر کے متعلق ڈھائی صفحے کا ادارتی نوٹ ہے۔ دوسرا مضمون "اردو ناولوں پر ایک نظر" عزیز مرزا صاحب کا ہے۔ یہ مضمون مولانا ظفر علی خاں کی "سیر ظلمات" (ترجمہ رائڈر ہیگرڈ) کا تعارف ہے۔ اس کے بعد "اخلاقی قوت غیر فانی ہے" کے عنوان پر منور خاں کا مضمون ہے۔ چوتھا مضمون جنگی تاریخ پر سلسلہ گذشتہ ہے اور پانچواں عبدالغنی رافت نے مدرسے کے بچوں کے خیالات پر لکھا ہے۔ اس کے بعد دو مضمون مولوی صاحب کے قلم سے ہیں۔ ایک "اردو اخبارات کے ایڈیٹروں کو نیک صلاح" اور دوسرا "اردو طرز تحریر" جس کا تعلق نظام الدین حسن صاحب کے شائع شدہ مضمون سے ہے۔

افسر کی چوتھی جلد کا نواں شمارہ حضرت بے نظیر شاہ وارثی کے فارسی قصیدہ سے شروع ہوتا ہے جس کا مطلع ہے۔

محبت کشورے بر جاں فگند — مرا شہید اندر دہاں افگند

اور اس کے بعد ہی حضرت بے نظیر شاہ کی مثنوی "بہاریات" ہے۔ تیسرا مضمون "موجودہ شہنشاہ بیگم چین" "ریویو آف ریویوز (لندن)" سے مولوی صاحب نے اپنے رسالے کے لئے ترجمہ کیا ہے یہ طویل ہونے کے باوجود بے حد دلچسپ ہے جس میں انداز تحریر کو بھی بڑا دخل ہے۔ آخر میں مولوی صاحب نے اپنے دوست مولانا ظفر علی خاں کی کتاب "سیر ظلمات" پر تبصرہ کیا ہے۔

دسویں شمارہ کا پہلا مضمون خیرالدین کپتان پاشا، "قطب الدین علی تسلی کا ترجمہ ہے۔ یہ انجمن وصفیہ کے سکریٹری تھے دوسرا مضمون کوچ بہار کی رانی کیشب چندر سین کی لڑکی سونیتی دیوی پر عبدالغنی رافت نے لکھا ہے اس کے بعد مولوی صاحب نے "پروفیسر مرزا حیرت کے مختصر حالات" لکھے ہیں جو ان کی کتاب "چند ہمعصر" میں شامل ہے۔ پھر دیوان مجروح پر ایک نہایت تفصیلی تبصرہ ہے۔

گیارھواں مثنوی گرامی (غلام قادر) بطرز مثنوی مولانا روم سے شروع ہوتا ہے جس کا تین صفحوں میں مولوی صاحب نے تعارف کرایا ہے۔ اس کے بعد جنگی تاریخ کا سلسلہ ہے اور پھر فرنگی مجانین پر علی شبیر صاحب کا تفصیلی مضمون ہے جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ آخر میں حضرت سید بے نظیر شاہ وارثی کی مثنوی "صبح" شریک ہے۔

چوتھی جلد کے آخری شمارے میں پہلا مضمون جنگی تاریخ کا سلسلہ ہے۔ دوسرا قطب الدین علی تسلی کا لکھا ہوا مضمون "پیرانہ سالی" ہے۔ اس کے بعد "انسان کا نشو و نما" کے عنوان سے عبدالغنی خاں رافت کا مضمون ہے۔ پھر "فوجی افسر کیسا ہونا چاہئے" کے عنوان سے گولکنڈہ کے ایک کیڈٹ نے اپنے خیالات نہایت تفصیل سے مثالوں کے ساتھ واضح کئے ہیں۔ اس جلد کے آخری شمارے کا آخری مضمون امیر مینائی کے حالات ہیں جن کو مولوی صاحب نے لکھا ہے۔

اس جلد کے بارہ پرچوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ افسر جنگ بہادر کے ایما پر فوجی یا حربی قسم کے کسی نہ کسی مضمون کا ہر شمارے میں شریک رہنا ضروری تھا۔ ملک کے بڑے بڑے ادیب اور اہل قلم اس کے مضمون نگاروں میں شامل تھے اور مولوی صاحب ان کو نہایت پابندی سے شائع کرتے تھے۔

انجمن ترقی اردو شکرنگر

دارالمطالعہ کا قیام

شکرنگر ۔ ۳ر دسمبر ۔ انجمن ترقی اردو شاخ بودھن کے زیر اہتمام ۲ر دسمبر کو شکرنگر میں مسٹر راگھولو صدر نشین بلدیہ نے ایک دارالمطالعہ عام کا افتتاح کیا ۔ اس موقع پر حافظ رفیق احمد صاحب ، منصف انچارج صاحب صہبا صدر انجمن مسٹر کوئی ریڈی رکن بلدیہ ہنومنت سنگھ صدر ڈی ، این ، سی ، یو ، مسٹر افتخار الدین معتمد عمومی مزدور سبھا اور حامد ظفر نے دارالمطالعہ کے اغراض و مقاصد اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالی ڈاکٹر کے ، وی ریڈی رکن اسمبلی نے اپنے پیام میں دارالمطالعہ کے قیام کی ستائش کی اور اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا ۔ بعد میں مسٹر افتخار الدین کی صدارت میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں صہبا ، منصف رنگین ، ساغر ، امان ، حامد ظفر ، شاکر ، شیدا ، مظہر ، عاقل ، ظریف اور شناس نے کلام سنایا ۔

اردو مجلس حیدرآباد

اردو مجلس حیدرآباد کا ماہانہ ادبی اجلاس اتوار ۱۶ر دسمبر ۶۲ء کو اردو ہال حمایت نگر میں بصدارت جناب پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب منعقد ہوا ۔

ممتاز ادیب اور صحافی قاضی عبدالغفار مرحوم کی صاحبزادی محترمہ فاطمہ عالم علی نے "سر محمد یعقوب کی شخصیت" کے زیر عنوان اپنا معلومات افزا اور دلچسپ مضمون سنایا ۔

اپنے ماموں سر محمد یعقوب کی شخصیت کی مختلف جھلکیاں پیش کرتے ہوئے آپ نے بتلایا کہ "ماموں میاں بے حد اصولی انسان تھے ۔ انھیں کسی کام میں بھی دقت اٹھانی نہ پڑی ۔ وہ جتنے اصولی آدمی تھے اتنے ہی نفاست پسند بھی تھے ۔ ان کو دیکھ کر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس دھلے دھلائے رکھے ہیں ۔ تھے بھی بڑے ہی حسین ۔ غلافی آنکھیں ، اونچی ناک ، چھوٹا سا دہانہ ، خاموش بھی بیٹھتے تو معلوم ہوتا کہ مسکرا رہے ہیں ۔ انتہائی جامہ زیب ، بات چیت کا انداز اتنا شیریں اور ایسا گداز کہ جی چاہتا بات کرتے ہی رہیں ۔ ان کے دوست احباب کی کوئی گنتی ہی نہیں ۔ علی گڑھ کالج کا ہر طالب علم سر محمد یعقوب کا دوست تھا ۔"

محترمہ فاطمہ عالم علی کے بعد محترمہ انیس فاطمہ صاحبہ نے اپنا دلچسپ مضمون "اردو کا عوامی شاعر نظیر اکبرآبادی" کے عنوان سے سنایا اور بتایا کہ "نظیر انسان دوست اور معاشرت کا شیدائی تھا ۔ اس نے جو کچھ لکھا ہے بے تکلف اور بے ساختہ لکھا ہے ۔ اردو شاعروں میں محمد قلی قطب شاہ کے بعد نظیر ہی وہ واحد اور بھرپور عوامی شاعر ہے جس نے ذہنی اور بین قومی یک جہتی کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے فن کو ملک اور قوم کے لئے سود مند بنایا ۔"

محترمہ انیس فاطمہ صاحبہ کے مضمون کے بعد اردو مجلس کی بے غرض محسن اور خدمت گزار مس نعمدق ، انجمن پر اگرلس کالج کے انتقال پر جناب محمد منظور احمد معتمد اعزازی اردو مجلس ۔ قرارداد تعزیت پیش کی جسے حاضرین نے منظور کیا ۔

صدر جلسہ جناب پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب نے مضامین پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے مخصوص شگفتہ اور دل نشین انداز میں صدارتی تقریر فرمائی ۔ (وقار خلیل)

سرکاری ملازمین کے لئے ہندی یا اردو امتحانات

چیف منسٹر آندھرا پردیش ڈاکٹر نیلم سنجیوا ریڈی نے آج کہا کہ چند مستثنیٰ زمروں کے علاوہ تمام سرکاری ملازمین کے لئے ۲۰ر فروری ۱۹۶۳ء تک ہندی یا اردو میں امتحان زباندانی میں کامیابی حاصل کرنا ضروری ہے ۔ یہ درجہ دوم کا امتحان زباندانی ہے ۔ ان عہدوں پر فائز افراد کے لئے جن کا معیار قابلیت ایس ایس ایل سی امتحان کامیاب یا اس کے مساوی یا اعلیٰ تعلیمی قابلیت ہے ، اور تمام دوسروں کے لئے درجہ سوم کا زباندانی ٹسٹ رکھا گیا ہے ۔

بنگلور میں "یوم ظفر"

مسلم لائبریری کے زیر اہتمام "یوم ظفر" کے سلسلے میں ایک طرحی مشاعرہ یکم دسمبر کو منعقد ہوا ۔ مقصود علی صاحب نائب وزیر ریاست میسور نے مشاعرے کی صدارت کی ۔

حکیم عبدالمنتقم خاں دانش نے صدر جلسہ کا تعارف کرایا اور اس کے بعد مسلم لائبریری بنگلور کی باون سالہ خدمات پر روشنی ڈالی ۔ اس کے بعد صادق سہیل صاحب ایڈوکیٹ بنگلور نے صاحب صدر کی درخواست پر ایک پُر مغز تقریر کی ۔

صدر جلسہ نے اپنی صدارتی تقریر میں مسلم لائبریری بنگلور کی مسلسل جد و جہد اور ترقی پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے منتظمین لائبریری کو یقین دلایا کہ وہ حتی المقدور لائبریری کی اعانت کریں گے ۔ اسکے بعد بہادر شاہ ظفر کی سوانح زندگی پر روشنی ڈالی ۔ اس کے بعد طرحی مشاعرہ کا آغاز ہوا ۔ (سکریٹری مسلم لائبریری)

ہندوستانی سائنس داں کے لئے برطانوی اعزاز

برطانوی رائل سوسائٹی نے جو برطانیہ اور دیگر ملکوں کے ممتاز سائنس دانوں پر مشتمل ہے ، ہندوستانی سائنسداں پروفیسر ہرش چندر مینن شیکھر کو ان کی سائنسی ریسرچ کے صلے میں رائل میڈل عطا کیا ہے ۔ ڈاکٹر شیکھر پہلے ہندوستانی ہیں جن کو یہ اعزاز ملا ہے ۔ انھوں نے مدراس اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی ہے اور آجکل شکاگو یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں ۔

شمس لکھنوی کا انتقال

لکھنؤ۔ ۱۵ دسمبر، لکھنؤ کے ممتاز اور کہنہ مشق اُردو شاعر ابوالفضل شمس لکھنوی کا پچھلی شب کو ۱۱ بجے اُن کے مکان پر انتقال ہوگیا۔ اُن کی عمر تقریباً ۷۰ سال تھی۔ ان کے پس ماندگان میں اُن کی بیوہ اور دو چھوٹی لڑکیاں ہیں۔

ریاستی وزیر صحت شری مہابیر پرشاد سریواستو آج اُن کے مکان پر تعزیت کے لئے گئے اور اُن کے پس ماندگان کو صبر کی تلقین کی۔

انجمن عن ادب کی جانب سے ایک تعزیتی جلسہ انجمن کے دفتر میں منعقد ہوا جس میں شمس لکھنوی کے انتقال پر ایک تعزیتی تجویز منظور ہوئی۔

اُردو افسانہ نگار کے اعزاز میں ”ادبی نشست“

لکھنؤ۔ ۱۵ دسمبر ”ادبی نشست“ کی طرف سے اُردو افسانہ نگار شری رتن سنگھ کے آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہو کر لکھنؤ سے بھوپال جانے کے موقع پر گزشتہ شام کو شری حیات اللہ انصاری کی صدارت میں ایک الوداعی تقریب ہوئی جس میں شری علی عباس حسینی، شری رام لعل، شری مسیح الحسن رضوی، شری عابد سہیل، شری آفتاب اختر، شری احمد جمال پاشا اور شری منظر سلیم نے ان کی افسانہ نگاری اور شخصیت پر روشنی ڈالی۔

شری رتن سنگھ نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ انھوں نے لکھنؤ میں جہاں ان کی افسانہ نگاری کا آغاز ہوا ہے بہت کچھ سیکھا ہے اور وہ علم و ادب کے اس مرکز کو جس کی حیثیت ان کے نزدیک ایک یونیورسٹی کی سی رہی ہے کبھی بھی نہ بھول سکیں گے۔

آخر میں صدر جلسہ انصاری صاحب نے شری رتن سنگھ کو اچھی ملازمت حاصل کرنے پر مبارک باد دی اور ساتھ ہی ساتھ اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ ان کے جانے سے ”ادبی نشست“ میں پابندی سے شرکت کرنے والے ایک اہم رکن کی کمی پیدا ہو جائے گی۔ انصاری صاحب نے امید ظاہر کی کہ شری رتن سنگھ کے فن میں پختگی کے جو آثار پیدا ہو چلے ہیں ان سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ آئندہ اردو کو اور اچھے افسانے دے سکیں گے۔

جلسے میں شری اختر علی تلہری، شری حسن شہیر، شری بشیشر پردیپ، شری م نسیم، شری یوسف سرسوی، شری احمد ابراہیم علوی، شری لطیف صدیقی، شری عابد حکیم اور شری عصمت پاشا نے بھی شرکت کی۔

گاندھیائی فلسفۂ زندگی

بہار اسٹیٹ کے سابق گورنر مسٹر سری پرکاشا نے مشورہ دیا ہے کہ گاندھیائی اصولوں کی بنیاد پر ہندوستانی طرز زندگی کی از سرِ نو تنظیم کی جائے۔ مسٹر سری پرکاشا بھاگل پور یونیورسٹی میں گاندھیائی فلسفے پر پہلا لکچر دے رہے تھے انہوں نے ہندوستانی شخصیت کے ہمہ جہتی ارتقا کی ضرورت پر خصوصیت سے زور دیا۔

لندن میں قدیم دستاویزات کی نمائش

طباعت کے سامان اور اس سے ملحقہ تجارت کی ایک بین الاقوامی نمائش لندن میں آئندہ موسم گرما میں منعقد کی جائیگی۔ اس نمائش میں اہم اور قدیم دستاویزیں اور کتابیں رکھی جائیں گی نمائش میں کولمبس کا وہ مراسلہ بھی ہوگا جس میں امریکہ کی دریافت کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ گیلیلیو، کاپرنیکس، نیوٹن اور کارل مارکس کی تھیوریوں پر مبنی کتابیں اور دستاویزیں بھی ہوں گی۔ نمائش میں پرانے زمانے کے طباعتی نمونے بھی رکھے جائیں گے۔

مراسلات

لسانی کمیٹی حقیقت کی روشنی میں

محترم آچاریہ کرپلانی کی صدارت میں اُردو کی ترویج اور ترقی کا جائزہ لینے نیز مفید مشورے دینے کے لئے جو پندرہ نفری کمیٹی حکومت یوپی نے اپریل سنہ ۱۹۶۱ء میں بنائی تھی اُس کی رپورٹ ابھی تک زیرِ طبع ہے البتہ رپورٹ مذکور کی اہم دفعات کا خلاصہ اخبارات میں شائع ہو گیا ہے اور اُس پر بحث و مباحثہ شروع ہو گیا ہے۔ صدر محترم کرپلانی صاحب نے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے سلسلے میں جو تازہ ترین بیان اخبارات میں دیا ہے اس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ رپورٹ مذکور دو سو صفحات سے زیادہ کی ہے اور ابھی تک زیرِ طبع ہے۔ جب تک وہ چھپ کر نہ آ جائے اُس وقت تک اُس پر تنقید مناسب نہیں ہے۔

صدر محترم کی رائے سے مجھے بھی اس حد تک اتفاق ہے کہ مکمل صحیح حالات رپورٹ کے مطالعے کے بعد ہی معلوم ہوں گے، لیکن رپورٹ مذکور کا جو خلاصہ اخبارات میں چھپا ہے اس سے بھی کچھ نہ کچھ حقیقت معلوم ہی ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر جناب قاضی محمد عدیل صاحب عباسی اور محترم حیات اللہ صاحب انصاری نے بالترتیب مخالفت اور موافقت میں پورا زورِ قلم صرف کر دیا ہے۔ قاضی صاحب کا خیال ہے کہ اس رپورٹ کے منظور ہو جانے سے اُردو کو بجائے فائدہ پہنچنے کے سخت نقصان پہنچے گا کیونکہ اُردو کو جو حقوق پہلے ہی سے مل چکے ہیں وہ اس سے بھی محروم ہو جائے گی اس لئے پوری کوشش کر کے اسے نامنظور کرا دینا چاہئے۔ اس کے برعکس محترم حیات اللہ صاحب انصاری یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اس رپورٹ کے منظور ہو جانے کے بعد اُردو اپنا بہت کچھ کھویا ہوا حق حاصل کرے گی۔

میرا خیال ہے کہ مخالفت اور موافقت کے جوش میں دونوں حضرات صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے ہیں۔ رپورٹ مذکور کا خلاصہ میں نے کئی بار غور سے پڑھا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس میں ضرر کا پہلو غالب اور نفع کا پہلو مغلوب بلکہ معدوم ہے۔ البتہ مناسب ترمیم کے بعد اگر یہ رپورٹ منظور کر لی جائے تو مفید ہو سکتی ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ترمیم کیسے کی جائے۔ اس سلسلے میں میرا مراسلہ "کرپلانی رپورٹ کی حقیقت اور اس کے مفید بنانے کی صورتیں" پڑھنے کی ضرورت ہے جو اخبار ہماری زبان مورخہ ۱۵ر نومبر ۶۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

جب تک رپورٹ مذکور میں مناسب ترمیم نہ ہو وہ اُردو کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ رپورٹ مذکور کی مخالفت چونکہ ہر طرف سے ہو رہی ہے اس لئے محترم انصاری صاحب گھبرا گئے ہیں اور ایسی باتیں لکھنے لگے ہیں جن کی توقع موصوف سے نہ تھی۔ موصوف نے اپنے موقر اخبار میں "دینی تعلیمی کونسل کی نازک پوزیشن" کے عنوان سے جو ایڈیٹوریل لکھا ہے اُس میں فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ مذکورہ قرارداد (پاس کردہ دینی تعلیمی کونسل) میں تو صرف ایک بات (سہ لسانی فارمولے سے اُردو کا خارج ہونا) خلافِ واقعہ ہے۔ لیکن (کونسل مذکور کے) جنرل سکریٹری (محمد عدیل صاحب) کے بیانوں اور مضامین میں تین تین باتیں خلافِ واقعہ اور بے بنیاد ہیں۔ حد یہ ہے کہ اُنھوں نے (محمد عدیل صاحب نے) اپنے آخر والے بیان میں لسانی کمیٹی کی رپورٹ پر جو چھ الزام لگائے ہیں، ان میں تین بے بنیاد ہیں۔ اس بیان میں کہا گیا ہے کہ (۱) ثانوی تعلیم اُردو میں نہ ہوگی (۲) سہ لسانی فارمولے سے اُردو خارج ہے (۳) اُردو ریڈر بھی دیوناگری میں بھی ہوں گے (۴) اسلامیہ مکتبوں کا کریکولم لوکل بورڈ بنائیں گے (۵) بیسک اسکولوں اور عدالتوں میں اردو کے ساتھ ناانصافی نہیں کی گئی ہے (۶) نارمل اسکولوں میں اُردو کے ٹیچر تیار نہیں کئے جائیں گے۔ اب دیکھئے کہ ان چھ الزاموں میں سے (۲) اور (۴) اور ۶ بالکل بے بنیاد ہیں۔

محترم انصاری صاحب کی مندرجہ بالا عبارتوں کو غور سے پڑھئے موصوف نے چھ الزامات میں سے تین کو صحیح تسلیم کر لیا ہے۔

محترم انصاری صاحب کو یہ بات یقینی معلوم ہوگی کہ قومی یکجہتی کمیٹی کی کونسل نے الزام ۱ والے حق کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ ۲۰ر اگست سنہ ۶۲ء کو اس کا مطالبہ کیا ہے کہ لسانی اقلیتی فرقہ کی زبان کو بھی ہائر سکنڈری اسکولوں میں جلد از جلد ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔ انصاری صاحب غور فرمائیں کہ جو حق اُردو کو پہلے ہی ملا تھا اُسے بھی کرپلانی رپورٹ نے سلب کر لیا۔ جب انصاری صاحب الزام ۱ کو تسلیم کر چکے تو الزام ۳ کی صداقت میں کیا شبہ رہ گیا ہے۔ یعنی جب ثانوی تعلیم کا ذریعہ اُردو نہ ہوگا تو اُردو میں ٹرینڈ ٹیچر کی ضرورت ہی کیا رہے گی۔ اب صرف دو الزامات ایسے رہ گئے ہیں جنھیں انصاری صاحب بے بنیاد کہتے ہیں۔ انصاری صاحب کے خیال میں یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے کہ اسلامیہ مکتبوں کا کریکولم لوکل بورڈ بنائیں گے، میرا خیال ہے کہ انصاری صاحب رپورٹ مذکور کا خلاصہ بھول گئے ہیں ورنہ وہ ایسا نہ لکھتے۔ کیا موصوف کے معزز اخبار قومی آواز میں صراحت کے ساتھ یہ نہیں لکھا ہے کہ "ان مکتبوں کا کریکولم لوکل بورڈوں کا منظور کیا ہوا ہونا چاہئے"۔ آئیے اب سب سے اہم الزام کو بھی دیکھا جائے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ انصاری صاحب الزام ۲ یعنی سہ لسانی فارمولے سے اُردو کے اخراج کو بالکل بے بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "لسانی کمیشن کی جو سفارشیں شائع ہوئی ہیں ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ اُردو کو سہ لسانی فارمولے سے خارج کر دیا گیا ہے"۔ انصاری صاحب نے اپنے دعوی کو زیادہ مدلل کرنے کے لئے مکمل رپورٹ کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے کہ "سہ لسانی فارمولا کی دفعہ (ب) میں دستورِ اساسی ہند کے شیڈول آٹھ میں دی ہوئی

سب زبانیں شامل ہیں اور ان میں سے کسی کا بھی خارج کیا جانا دستور ہند کے منافی ہوگا" چونکہ شیڈول آٹھ میں دیگر زبانوں کے ساتھ اُردو بھی ہے لہٰذا وہ سہ لسانی فارمولے سے خارج نہیں ہے۔

میں محترم انصاری صاحب سے نہایت ادب سے دریافت کروں گا کہ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ شیڈول آٹھ میں جن چودہ زبانوں کا ذکر ہے اُن میں سنسکرت بھی ہے اس لئے غیر مسلم اسکولوں کا حساب بالکل صاف ہو گیا یعنی درجہ ۶ سے بارہ تک وہ انگریزی ہندی اور سنسکرت کی تعلیم لازمی مضمون کی حیثیت سے دیں گے اُردو کا وہاں کوئی سوال ہی نہ ہوگا جیسا کہ اب بھی نہیں ہے اور جو مسلم طلبہ اُن اداروں میں تعلیم پائیں گے ان کو مجبور ہو کر درجہ ۶ سے ۱۲ تک ہندی کے ساتھ سنسکرت بھی پڑھنی پڑے گی اُردو کی تعلیم کا وہاں کوئی سوال ہی نہ ہوگا۔ سہ لسانی فارمولے سے اُردو کو جس خوبصورتی سے نکالا گیا ہے اُسے آپ نے دیکھ لیا۔ اب اس غلطی کا تدارک صرف اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ سہ لسانی فارمولا ان لفظوں میں پاس ہو کہ "انگریزی ہندی کے علاوہ ہندیونین کی کوئی علاقائی مادری زبان"

مجھے امید ہے کہ ان معروضات پر ہمدردانہ غور کر کے جو غلطی ہو چکی ہے اس کے تدارک کی صورتیں نکالی جائیں گی اور اس سلسلے میں رپورٹ مذکور پر میری دس ترمیمات کا بغور مطالعہ کیا جائیگا جو پہلے مضمون میں لکھ چکا ہوں۔

آخر میں مجھے محترم قاضی محمد عدیل صاحب عباسی سے بھی یہ عرض کرنا ہے کہ اخبار ہماری زبان مورخہ یکم دسمبر ۶۲ء میں جناب نے میرے پہلے مضمون پر جو تبصرہ فرمایا ہے اُس کی حیثیت دو۔ دو چار کی نہیں ہے بلکہ بعض باتیں غلط ہیں۔

جناب والا نے یہ لکھتے ہیں کہ عبد الحنان صاحب کی دس ترمیموں کے بعد رپورٹ میں بہت سے اہم نقائص رہ جاتے ہیں مثلاً اُردو کی درسی کتابوں میں صفحہ بہ صفحہ دیتی عبارت دیوناگری رسم خط میں بھی لکھی جائے۔ ثانوی سطح پر ٹیچروں کی ٹریننگ کے موجودہ انتظامات میں تعلیمی نقطۂ نظر سے ردّ و بدل کی ضرورت نہیں ہے۔ ثانوی سطح پر سرکاری زبان ہی بدستور ذریعۂ تعلیم رہنی چاہیئے وغیرہ۔ محترم قاضی صاحب نے میری ترمیمات مرقومہ (ز) اور (ط) پر غور نہیں فرمایا ورنہ ایسا نہ لکھتے ملاحظہ ہو ترمیمات (ز) جونیر اور ہائر سکنڈری اسکولوں میں اُردو کی تعلیم اور ذریعۂ تعلیم اُردو صفر کے برابر ہے لہٰذا جہاں اس کا مطالبہ ہو وہاں دونوں کا انتظام ہونا چاہیئے۔

محترم قاضی صاحب غور فرمائیں کہ ثانوی سطح یعنی جونیر یا ہائر سکنڈری اسکولوں میں اُردو کی تعلیم اور ذریعۂ تعلیم اُردو دونوں کا مطالبہ واضح طور پر موجود ہے اب رہا اُردو میں ٹرینڈ اساتذہ کا مطالبہ وہ ترمیم مرقومہ (ط) میں ان الفاظ میں موجود ہے:۔ اردو میں تربیت یافتہ اساتذہ کا انتظام۔

آخر میں پھر عرض ہے کہ مکمل رپورٹ شائع ہونے کے بعد مختلف اخیال مشاہیر اُردو کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔　　(عبد الحنان مظاہری۔ گورکھپور)

یادگارِ امجد

یکم دسمبر کا ہماری زبان نظر سے گزرا اس میں میری کتاب یادگارِ امجد پر پہلے جو تبصرہ ہوا ہے اس کا ایک جز پیش کر کے غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر مراسلہ نگار اصل کتاب پڑھتے تو یہ نوبت نہ آتی۔

مولانا مناظر احسن کا مضمون سب رس کے امجد نمبر سے لیا گیا ہے جو ان کی گولڈن جوبلی کے موقع پر شائع ہوا تھا اور جب مولانا بقید حیات تھے بہتر ہے کہ مراسلہ نگار اب بھی اصل کتاب سے استفادہ کر لیں تاکہ غلط فہمیاں رفع ہوں۔
(محمد اکبر الدین صدیقی)

ماہنامہ جامعہ کا مخصوص شمارہ

(سنہ ۱۹۶۲ء کے اُردو ادب کا جائزہ)

اس سال کی طرح اگلے سال بھی رسالہ جامعہ کا جائزہ نمبر شائع ہوگا، جس میں سنہ ۶۲ء کے اردو ادب کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا اور تمام مطبوعات کی مضمون وار فہرست شائع کی جائیگی ادیبوں اور ناشروں سے درخواست ہے کہ اپنے تعاون سے اس خاص نمبر کو کامیاب بنانے میں مدد فرمائیں۔

(ایڈیٹر رسالہ جامعہ، جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵)

بقیہ: پیام یار

پنڈت لبھو رام جوش، منشی لالہ لکھپت رائے رنگ، منشی جوالا ناتھ سعد، مولوی عبد الاحد شمشاد، منشی درگا پرشاد طالب، سید عبد الرؤف ظہیر، غلام عباس عباسین، عبد الرحمٰن غنی، محمد عبد الرزاق فوق، محمد اسماعیل قتیل، سید محمد مہدی کمال، سید یوسف، علی کاوش، محمد عبد الرحمٰن خاں نیر، محمد عمر حسن،

(غیر طرحی غزلیں) محمد عبد الواحد واحد، سید اکبر حسین، مولوی محمد مہذب، محمد عبد الرحیم انس، عبد الحلیم آشفتہ، ارادت حسین اظہر، محمد عبد القادر اعجاز، عبد المجید احسان، محمد عبد الرحیم زمزم، محمد احسن اللہ احسن، سید محمد اختر اختر، سید رشید الزماں امید، رائے بھوانی پرشاد آزاد، محمد حبیب الحق اثر، محمد عبد الرحمٰن اثر، سید محمد حسین ادیب، حبیب اللہ شاہ الحان، سید نور علی انور، تفضل حسین تجود، منشی غلام حسین بہتر، معز الدین نظیر۔

۲۵ ویں صفحے سے ناول "سارا او کلارہ" وقعۃً شروع ہو جاتا ہے۔ یہ قسط وار چھپتا چلا گیا ہے، آخر میں بہت ساری کتابوں کا اشتہار۔

نمبر ۱۰: پہلے ۵ صفحات پر "اُردو شاعری" کے عنوان سے کسی صاحب کے مضمون کی دوسری نامکمل قسط۔ آخری ۱۴ صفحات پر بہت ساری طرحی غزلیں۔

مالک انجمن ترقی اُردو علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر شمیم الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا